© rasailojaraid.com

بینک سے تعاون اور اس کے انٹرسٹ کا شرعی حکم؟
(ایک مطالعہ)

از: محمد برہان الدین سنبھلی، استاذ تفسیر و حدیث، ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عرصۂ دراز سے مسلمانوں کی بدقسمتی سے مسلم ملکوں سمیت تمام دنیا پر جو اقتصادی نظام مسلط ہے اس میں ربوٰ، بیوع فاسدہ، اور معاملات کے دیگر غیر شرعی طریقے عام ہیں، نیز کاروباری ضرورت۔ اور دیگر بہت سے مصالح اور حاجات۔ کی وجہ سے بنکوں کا توسط اختیار کرنا اور ان میں رقموں کا جمع رکھنا بھی ناگزیر سا ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عام بینکوں کا سارا نظام سودؔ کے سہارے چلتا ہے بلکہ سود کو اس میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور سود کا اسلامی نقطۂ نظر سے قابل احتراز بلکہ قابل نفرت ہونا اتنا معروف ہے کہ بتانے کی ضرورت نہیں تاہم سود کی شناعت اور مذمت کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں یہاں ان میں سے بعض کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ (انشاء اللہ)

ع جو لوگ بینک کے سود کو سود نہیں سمجھتے ان کے مطالعہ کے لیے آئندہ صفحات میں چند کتابوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے، جن کے مطالعہ کے بعد کسی صاحب نظر کو اس کے "سود" ہونے میں شک نہیں رہ جانا چاہیئے۔ نیز ان لوگوں کو تفسیر "معارف القرآن" و "تدبر قرآن" میں آیات ربا کی تفسیر دیکھنی چاہیئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کے اندر سود کے بارے میں وعیدیں

قرآن مجید میں ہے:

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں
کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان	اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو
من المس [1]	شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو

ایک اور آیت میں نہایت تہدید آمیز انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا:

یا أیہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ	اے ایمان والو! اگر تم سچے مومن ہو تو
وذروا ما بقی من الربا ان	اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے
کنتم مومنین فان لم تفعلوا	اس کو چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو
فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ [2]	اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
	جنگ کے لیے خبردار رہو۔

مزید برآں یہ کہ سورۂ آل عمران میں سودخواروں کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو کافروں کی ہے (واتقوا النار التی أعدت للکافرین [3]) ـــــ اس آخری آیت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے بجا فرمایا ہے:

إنّ ھذہ الآیۃ ھی أخوف	قرآن کی یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے
آیۃ فی القرآن حیث اوعد اللہ	کیونکہ اس میں مسلمانوں (سودخواروں)
المومنین بالنار المعدۃ	کو بھی اس آگ میں جلائے جانے کی دھمکی
للکافرین ان لم یتقوہ [4]	دی گئی ہے جس میں کافر ہی جلائے جائیں
	گے، اگر مسلمان سودخواری سے باز نہ آئے۔

---

[1] سورۃ بقرہ آیت ۲۷۵ ـ [2] سورۃ بقرہ آیت ۲۷۸ ـ [3] آل عمران آیت ۱۳۱ ـ
[4] تفسیر مدارک التنزیل للنسفی آیت ۱۳۱ آل عمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور علامہ محمود الآلوسی نے اس آیت کے تحت کیا خوب لکھا ہے :

وفیہ إشارۃ أن آکلۃ الربا　　اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے

علی شفا حفرۃ الکفرۃ [1]　　کہ سود خوار اور کفار پہلو بہ پہلو رہیں گے۔

احادیث میں سود خواروں کا ذکر

علاوہ ازیں احادیث نبویہ (علی صاحبہا التحیۃ) میں سودی لین دین کرنے والوں کے بارے میں جس درجہ کی شدید وعیدیں مذکور ہیں ایمان والوں کے انہیں سننے کے بعد رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

درھم یاکلہ الرجل وھو یعلم　　سود کا ایک درہم کھانا، یہ جانتے ہوئے کہ

أشدّ من ستۃ وثلثین زنیۃ　　یہ حرام ہے، چھتیس یار زنا کرنے سے بھی

　　زیادہ خطرناک ہے۔

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے

من نبت لحمہ من السحت　　جو جسم سود کی غذا سے پلا ہوا اس کا

فالنار اولی بہ [2]　　اصل ٹھکانا آگ ہی ہے۔

یہاں پر یہ بتانے کی ضرورت تو معلوم نہیں ہوتی کہ صرف سود لینا ہی جرم و معصیت نہیں ہے بلکہ اس کا دینا اور اس معاملہ میں کسی طرح کا حصہ لینا بھی جرم اور معصیت ہے۔

صحیح مسلم میں ہے :

لعن رسول اللہ آکل الربا　　سود لینے والے، دینے والے، اور اس کا حساب

وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ　　کتاب لکھنے والے، اس بارے میں گواہی دینے

وقال ھم سواء [3]　　والے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب کے سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں۔

---

[1] روح المعانی (آیت مذکور کے تحت)، [2] مشکوٰۃ ص۲۴۶ باب الربا عن احمد و دار قطنی و بیہقی۔ [3] صحیح مسلم جلد ثانی ص۲۷

© rasailojaraid.com

ان آیات اور احادیث کا حق یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو سود سے پوری طرح بچے اور اس سے ایسا بھاگے جیسا کہ شیر سے یا کسی اور مہلک و خوفناک چیز سے بھاگتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی بھی ہے:

لیأتین علی الناس زمان	ایک زمانہ ایسا بھی ضرور آئے گا جس میں
لا یبقی أحد إلا أکل الربوا	سود سے کوئی نہیں بچ سکے گا، اگر کوئی
فان لم یاکلہ أصابہ	براہ راست سود کھانے سے بچ بھی جائے
من بخارہ[1]	تو بالواسطہ اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ پائے گا۔

غالباً یہ پیشینگوئی موجودہ زمانہ میں پوری ہو رہی ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی اس سے بچنا چاہے مگر (بلا واسطہ یا بالواسطہ) ربٰو، یا اس کے غبار سے محفوظ نہیں رکھ سکا رہا ہے اور یہ ہمہ گیری زیادہ تر ـــ بلکہ تمامتر ـ "بینکنگ سسٹم" کے زمانہ کی "ضرورت" بن جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تو ایسی صورت میں کیا مشہور فقہی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات[2]" کی رو سے بینک کے موجودہ نظام سے فائدہ اٹھانے کو بلا قید جائز و مباح سمجھا جائے؟ یا آیات و احادیث کے پیش نظر اس سے بچنے کا اہتمام کیا جائے؟ یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جس کا جواب موجودہ زمانہ کے علماء کو دینا ہے۔ آئندہ سطروں میں اسی سوال کا جواب دینے یا ـــ یوں کہہ لیجئے کہ بینکنگ سسٹم سے فائدہ اٹھانے کا ـــ شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔ (واللہ الموفق للسداد)

بینکوں کا سارا نظام سود پر چلتا ہے

جیسا کہ اوپر کی سطروں میں ذکر آیا، اور یوں بھی وہ ایک معلوم واقعہ ہے کہ بینک کا جو نظام ساری دنیا میں اس وقت رائج ہے وہ اصلاً سود[3] کی بنیاد پر قائم ہے۔ بجز ان چند اسلامی بینکوں کے،

---

[1] احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۴۵۔ [2] "ضرورتیں ناجائز کو جائز بنا دیتی ہیں" اس کی تفصیل اور حوالہ جات آگے ملاحظہ کیجئے۔ [3] بعض لوگ بینک کے نظام کو "سودی" نہیں بلکہ (اگلے صفحہ پر....)

© rasailojaraid.com

کہ جن کا قیام ابھی کچھ مدت پہلے بعض اسلامی ملکوں میں ہوا ہے، جس کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں "البنك الاسلامي للتنمية"، کی عظیم الشان بلڈنگ ہے۔

بینک آجکل اقتصادی "ضرورت" بن گیا ہے

بینکنگ سسٹم موجودہ اقتصادیات بلکہ تمدن کی ایسی ناگزیر ضرورت بن گیا ہے جس سے کوئی مفر نہیں نظر آتا۔ چنانچہ اب صورت حال یہ ہے کہ نہ صرف تجارت و معاملات کیلئے بینک کا واسطہ ضروری ہے بلکہ 'حج' جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے جہازوں کے کرایہ وغیرہ کی رقمیں

بینک کے "ضرورۃ" بن جانے کے بعد شریعت کا حکم

بینک کے ہی توسط سے ادا اور وصول کی جاتی ہیں۔ یعنی آج فرائض کی ادائیگی بھی بینک سے رابطہ کے بغیر نہیں ہوسکتی، دریں صورت بینک کے توسط کو بیک جنبش قلم (سود لینے دینے، یا سودی لین دین پر اعانت کرنے کی علت سے) حرام قرار دینا نہ صرف تجارت و معاملات بند کر دینے بلکہ فرائض کی ادائیگی سے محروم کر دینے کا بھی باعث ہوگا جو ظاہر ہے ایسے دین کا حکم نہیں ہوسکتا جس کی خصوصیت ہی یسر، سہل، اور سمح بتائی گئی ہے[عه] اور جس میں "الحرج مدفوع" اور "المشقة تجلب التيسير"[لله] کو اصل کا درجہ دیا گیا ہے، اور یہ اصل قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے براہ راست ثابت ہے۔

(گزشتہ صفحہ ۴۴ کا بقیہ حاشیہ .....) تجارتی منافع پر مبنی قرار دیتے ہیں، لیکن ادھر نصف صدی کے اندر اس موضوع پر اس قدر بحث ہو چکی ہے، اردو زبان میں بھی اتنا لٹریچر آگیا ہے کہ مزید اضافہ کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اور علمائے حقانی کی کثیر تعداد نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ 'سود' ہی ہے، منافع نہیں اور اب اسی پر سارے عالم کے تقریباً تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔

عه یسر، سہل، سمح یہ سب الفاظ حدیث میں دین اسلام کی صفت کے طور پر آئے ہیں، سب کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ یعنی آسان — لله مشہور فقہی قاعدہ ہے جس کا مطلب ہے کہ: جب کسی کام میں مشقت ہوتی ہے تو شریعت کی طرف سے اس میں سہولت مل جاتی ہے۔" (تفصیل آگے آرہی ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ما جعل علیکم فی الدین من حرج ۱؎	(آخری خدائی) دین میں تم پر تنگی روا نہیں رکھی گئی ہے۔
یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ۲؎	اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔
الدین یسر ۳؎	(خدا کا آخری) دین آسان ہے۔
بعثت بالحنیفیۃ السمحۃ ۴؎	(اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) مجھے سیدھا اور آسان دین دیکر بھیجا گیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے ان احادیث کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں حوالوں کے ساتھ نقل کی ہیں ۵؎

ضرورت اور مشقت کسے کہتے ہیں؟

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ مشقت اور حرج کی وہ کونسی قسمیں مراد ہیں جن کی وجہ سے سہولت حاصل ہوتی ہے؟ کیا معمولی سی تکلیف، یا تھوڑا سا مالی نقصان بھی مشقت و حرج کی اس قسم میں داخل ہے؟ اگر ایسا عموم مراد لیا جائے تو پھر کوئی حکم بھی قابل عمل یا واجب العمل نہ رہنا چاہیے کیونکہ شریعت کا کوئی حکم بھی اس طرح کی مشقت سے خالی نہیں ملیگا۔ یہ واقعہ ہے کہ بہر حال شرعی احکام کی تعمیل میں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے اور اس سے تھوڑا بہت حرج بھی لازماً ہوتا ہے (یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شرعی احکام کی بندوں پر تعمیل ضروری ہونے کو تکلیف ہی کہا جاتا ہے) اس لیے یہ مفہوم تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر تھوڑی بہت تکلیف بھی کسی حکم شریعت کی تعمیل میں ہو تو وہ حکم مرتفع ہو جائے گا اور اس کی تعمیل ضروری نہ رہے گی۔ کیونکہ اس مفہوم کے لینے سے تو انبیاء کا لایا ہوا ساری دینی نظام ہی معطل اور لغو

۱؎ مائدہ آیت ۶ - ۲؎ بقرہ آیت ۱۸۵ - ۳؎ بیہقی بحوالہ جامع صغیر - ۴؎ ترمذی بحوالہ المناوی
۵؎ دیکھئے "الاشباہ والنظائر" للسیوطی (القاعدۃ الثالثۃ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار پاتے گا، بلکہ شریعت اور شرعی احکام وغیرہا الفاظ بے معنی ہوکر رہ جائیں گے، اس لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا کہ حرج اور مشقت سے وہ کونسی دشواری یا تکلیف مراد ہے جس کی وجہ سے شرعی احکام میں رعایت مل جاتی ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے براہ راست اجتہاد کرنے اور تمام متعلقہ نصوص کا جائزہ لینے کے بجائے ہم ان حضرات کے کلام و تحقیق سے فائدہ اٹھالیں تو مناسب ہوگا جن کی عمریں اسی غور و فکر میں صرف ہوئیں، اور جو (وسعت علمی کے ساتھ) مقصد میں انہماک، غور و فکر کی گہرائی نیز تدین و تقوی میں اتنے بلند مقام ہیں کہ ہم جیسے پست قامت اس بلندی کا اندازہ بھی ٹھیک سے نہیں لگا سکتے، ہماری مراد فقہائے کرام رحمہم اللہ سے ہے، چنانچہ یہاں ایسے ہی بعض رفیع المرتبہ حضرات کا کلام پیش کیا جارہا ہے:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور فقیہ ابن النجیم مصری نے "الاشباہ والنظائر" نامی کتابوں میں مشقت" کی بنیادی طور پر دو قسمیں بتائی ہیں (۱) عموماً جس سے کوئی عبادت خالی نہیں ہوتی (۲) جو عبادتوں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔

کونسی "مشقت" تخفیف حکم کا سبب بنتی ہے؟

پہلی قسم اسقاط حکم میں قطعاً غیر موثر ہے یعنی اس کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوگی

دوسری قسم کی بھر ذیل کی صورتیں ہیں (یا کئی درجے ہیں)

(۱) مشقت عظیم: یعنی جس میں جان کی ہلاکت یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، اس صورت میں بہر حال اصل حکم میں تخفیف ہوجائے گی۔ کیونکہ جان کی حفاظت (اسی طرح اعضاء کی) مقدم ہے۔

(۲) مشقت خفیفہ: یعنی جس میں کوئی خاص مشقت و دشواری نہ ہو (مثلاً انگلی میں معمولی درد) اس قسم کی مشقت کی وجہ سے حکم شریعت میں تخفیف نہ ہوگی۔

(۳) مشقت متوسطہ: یعنی جو نہ عظیم جیسی مہلک ہو اور نہ خفیفہ جیسی معمولی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مشقت عظیمہ سے اقرب ہو تو موجب تخفیف ہوگی اور اگر خفیفہ سے اقرب ہو تو اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم میں تخفیف نہ ہوگی [1]

ایک دوسرے موقع پر اسباب رخصت و تخفیف بیان کرتے ہوتے ایک سبب "عسر" بتایا ہے پھر اس سبب کی وجہ سے شرعی احکام میں جو رخصتیں ملتی ہیں ان کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

کونسی "ضرورت" ناجائز کو جائز بنا دیتی ہے

ان اصولوں کے علاوہ ایک مشہور اصل وہ ہے جس کا ذکر تمہید میں بھی آچکا ہے۔ یعنی "الضرورات تبیح المحظورات" اس اصل کا ثبوت بھی قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے ملتا ہے:

٭ حرمت علیکم المیتة	تم پر مردار جانور حرام کر دیا گیا ہے ....
فمن اضطر غیر باغ ولا عاد	لیکن اگر حلال چیز نہ ملے اور تم میں سے
فلا إثم علیه [2] فمن اضطر	کوئی مضطر ہوجائے یعنی بھوک سے
فی مخمصة غیر متجانف لاثم [3]	ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کے کھالینے میں
وقد فصل لکم ما حرم علیکم	گناہ نہیں ہے، مگر صرف اتنا ہی کھائے
إلا ما اضطررتم إلیه [4]	جس سے جان بچ جائے، اس حد سے
	تجاوز نہ کرے (آیات کا مجموعی مفہوم)

یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوگا کہ "ضرورت" کیا ہر وہ تقاضہ ہے جو انسان کو عموماً پیش آتا رہتا ہے؟ یا وہ کسی مخصوص اور نادر صورت میں پیدا ہونے والے تقاضہ کا نام ہے؟ اگر پہلی بات مراد لی جائے تو پھر اس اصل کی رو سے ہر حرام حلال اور ہر ناجائز جائز قرار پائیگا

---

[1] "الاشباہ" للسیوطی صہ۸۹ ولابن النجیم صہ۱۱۸ - ۱۱۹ (واضح رہے کہ دونوں کی کتابوں کا نام بھی ایک ہے موضوع بھی ایک اور تقریباً مصنف بھی ایک ہی ہے)

[2] سورۃ بقرۃ آیت ۱۷۳ – [3] مائدہ آیت ۳ – [4] الانعام آیت ۱۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اسے صحیح قرار نہیں دے گا۔ اگر یہ نہیں، تو پھر "ضرورت" سے کونسی حالت مراد ہے؟

اس کا جواب بھی ہم از خود دینے کے بجائے بعض مستند فقہا کے کلام سے ہی پیش کرتے ہیں۔

مشہور شامی فقیہ علامہ احمد الحموی محقق ابن الہمام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

ههنا خمسة مراتب، ضرورة، و حاجة، ومنفعة، و زينة، وفضول۔	یہاں پانچ مرتبے ہیں ۱۔ ضرورۃ، ۲۔ حاجۃ، ۳۔ منفعۃ، ۴۔ زینۃ ۵۔ فضول۔

اس کے بعد ہر ایک کی تعریف اور اس کا اجمالی حکم بھی بیان کرتے ہیں:

فالضرورة بلوغة حداً ان لم يتناول الحرام هلك اوقارب وهذا ايبيع تناول الحرام۔	ضرورۃ، نام ہے ایسی صورت کا جس میں ہلاک ہوجانے کا یا قریب بہ ہلاک پہنچ جانے کا یقینی خطرہ ہو۔ اگر ممنوع شئے استعمال نہ کرے۔ اس میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔
والحاجة كالجائع الذى لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير انه يكون فى جهد ومشقة، وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم۔	حاجۃ، کہتے ہیں اس سے کم درجہ کی مجبوری کو کہ جس میں ہلاکت کا خطرہ تو نہیں ہوتا مگر سخت پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ حاجت کی وجہ سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی، البتہ روزہ (رمضان میں) نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے (یعنی اس وجہ سے فرائض وقتی طور پر موخر کیے جاسکتے ہیں۔
والمنفعة كالذى يشتهى	منفعۃ جیسے کسی کو گیہوں کی روٹی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبزالبر ولحم الغنم والطعام الدسم	خواہش ہو یا بکرے کے گوشت یا چربیلے کھانے کی۔
والزینة کالمشتهی بحلوی	زینة۔ جیسے کوئی حلوا یا میٹھا پسند کرے۔
والسکر والفضول التوسع باکل الحرام والمشتبه [1]	فضول، یعنی حرام و مشتبہ کی تمیز کے بغیر اپنی خواہشات پوری کرے (موخر الذکر تینوں صورتیں شرعی حکم میں تخفیف کا سبب نہیں بنا کرتیں۔

تقریباً یہی عبارت سیوطی نے بھی اپنی "الاشباہ ص۹۷" میں "قال بعضهم" کہہ کر نقل کی ہے۔

ان تصریحات اور اصول وہدایت کے سامنے آجانے کے بعد اب آسان ہوگیا ہے کہ مسئلہ زیر بحث (بینکنگ سسٹم سے رابطہ) کے بارے میں روشنی حاصل کی جائے۔ اور شرعی حکم دریافت کیا جائے۔

ضرورت کی وجہ سے جواز کی حد!

قبل اس کے کہ مسئلہ زیر بحث کو حل کرنے کے لیے اصولِ مذکورہ سے رہنمائی حاصل کریں یہ بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ ایک اور اصل "الضرورة تقدر بقدرها" [2] بیان کردی جائے تاکہ آئندہ کے مباحث میں اس سے بھی استفادہ کرسکیں۔ یہ اصل بھی قرآن مجید کی مذکورہ آیات (کے اجزاء "غیر متجانف لإثم" اور "غیر باغ ولا عاد") سے ماخوذ ہے۔ [3] علاوہ ازیں یوں بھی شریعت کے اصل حکم کے احترام اور اس کی اہمیت کا تقاضہ یہی ہے کہ اصل حکم سے اگر

---

[1] حاشیہ حموی بر "الاشباہ" ص۱۴۲ لابن النجیم۔ [2] مطلب یہ ہے کہ "ضرورة" کی بنا پر جو چیز جائز ہوتی ہے وہ بس اسی قدر ہوتی ہے جس سے کہ صرف ضرورة "رفع ہو جائے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ [3] اوپر سورہ مائدہ وغیرہا کی آیات میں جہاں مضطر کے لیے مردار کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ بھی ہے کہ اس حد ضرورت سے آگے نہ بڑھ جائے اس کے لیے وہاں "غیر متجانف لاثم" اور "غیر باغ ولا عاد" آیا ہے۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعاون ناگزیر ہو تو بس بقدر ضرورت ہی ہو۔ شبیر یا در، یا مباحات اصلیہ کی طرح اسے نہ سمجھ لیا جائے ورنہ حکم کی عظمت و حرمت باقی نہیں رہے گی (جو ایک طرح سے شریعت کے حکم کو لغو ٹھہرانے کے مترادف ہوگا)۔

کیا بینک واقعی ہر شخص کے لیے ضروری ہے

اس کے بعد جب ہم آجکل کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ بینکنگ سسٹم میں ملوث ہونا ہر شخص کے لیے ناگزیر نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں (بلکہ اکثریت انہی کی ہے) جو بڑی یا بیرونی تجارت نہیں کرتے، اسی طرح وہ جنہیں بیرونی سفر کی ضرورت نہیں پیش آتی، اور نہ ان کے پاس اتنی زیادہ دولت ہے جس کی حفاظت بینک کے توسط کے بغیر نہ کی جا سکے۔ یا اتنا معمولی کاروبار کرنے والے جنہیں بینک سے مدد لینا یا اس میں حساب رکھنا قانونی طور پر لازم نہیں ہوتا ایسے سب لوگوں کے لیے بینکنگ سسٹم ناگزیر نہیں ہے۔ تو جن لوگوں کے لیے بینکنگ سسٹم سے مدد لینا یا اس سے رابطہ قائم کرنا ضروری نہیں ہے ان کو بینک سے تعاون لینا یا اسے تعاون دینا، یعنی بینک میں کھاتہ رکھنا (کیونکہ کھاتہ رکھنے کے بعد تعاون لازماً ہو ہی جاتا ہے) شرعاً جائز نہ ہوگا۔

(واضح رہے کہ یہاں بینک اور بینکنگ سسٹم سے مراد وہ صورت ہے جس میں سود بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی بینک نہیں) کیونکہ ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون نہ ضرورت کے تحت آتا ہے۔ نہ حاجت کے، اس لیے کہ عدم تعاون سے یہ لوگ اس مشقت یا عسر میں مبتلا نہیں ہوتے جس کی بنیاد پر شرعی احکام میں رخصت حاصل ہو جایا کرتی ہے تو ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون (مذکورہ فقہی اقسام میں سے) منفعۃ یا زینۃ۔ بلکہ فضول کے دائرہ میں آتا ہے جس کے لیے احکام اصلیہ میں رخصت مل سکنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا بینک سے تعاون "تعاون علی الاثم" ہوگا (نیز بلا ضرورۃ سود دینے یا لینے کے جرم کا ارتکاب بھی ہوگا) البتہ وہ لوگ جو بڑی یا بیرونی تجارت یا بیرونی سفر کے لیے بینک کا توسط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ[۱] ۔ حاجۃ بھی کبھی ضرورۃ کا درجہ پالیتی ہے۔
(یعنی اس کی وجہ سے حرام حلال ہوجاتا ہے) اس کے ساتھ ایک اصل یہ بھی ہے۔

والحاجۃ اذا عمت کانت جو حاجۃ عام ہوجائے وہ ضرورۃ
کالضرورۃ[۲] کی طرح بن جاتی ہے۔

یہ قاعدے بھی نصوص سے مستفاد ہیں اور اس کے تحت بہت سے مسائل آجاتے ہیں جن میں سے کچھ احادیث نبویہ میں صراحۃً ملتے ہیں، مثلاً اجارہ، کی مشروعیت یا نکاح کیلئے (کسی) مصلحت سے اجنبیہ کو دیکھنا۔ حالانکہ اجنبیہ کو دیکھنے کی ممانعت صریح نص سے ثابت ہے لیکن نکاح سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنے کی اجازت احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتی ہے[۳]۔

اجارہ میں معدوم شئے کی (یعنی منفعت کی) بیع ہوتی ہے اور معدوم کی بیع کا (ممنو)ع ہونا بکثرت احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ (بیع حبل الحبلہ[۴] کی ممانعت اور قبل ظہور (پھل)وں کی بیع کا ممنوع ہونا اسی قبیل سے ہے جس کی ممانعت احادیث صحیحہ[۵] میں ہے)

(باقی آئندہ)

---

[۱] الاشباہ للسیوطی ص ۹۷

[۲] ایضاً

[۳] بخاری ص ۷۶۵ مسلم ص ۴۵۶ ج ۱

[۴] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲ - جاہلیت میں اچھی نسل کے جانوروں کی پیدائش سے بھی پہلے بیع ہوجاتی تھی یہی بیع حبل الحبلہ ہے۔ چونکہ یہ معدوم شئے کی بیع تھی اسی لیے حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

[۵] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخِ وصال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

جناب مسعود انور علوی۔ ایم اے عربی۔ علیگ

حضرت حکیم الامت ولی النعمت حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جو موتُ العالِم موت العالَم کے مصداق تھی آپ کے چند مخصوص مریدین و مسترشدین نے بصورت اشعار اظہار رنج وحزن وغم واندوہ کیا تھا اور مصرعہ آخرہ سے سنہ وفات بھی نکالا تھا۔ لیکن ان تاریخوں کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور شاید اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے سنہ میں اختلاف بھی رہا ہے۔ مولوی رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم نے حیات ولی" میں جو حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات وواقعات میں سب سے پہلی مبسوط وجامع تالیف ہے۔ آپ کا سنہ وفات ۱۱۷۶ھ لکھا ہے اور ثبوت میں صرف ایک مصرعہ قلم بند کر کے لکھا ہے کہ آپؒ کا سنہ وفات "او بود امام اعظم دیں" (وہ دین کے امام اعظم تھے) سے نکلتا ہے۔ چنانچہ بعد کے تمام سوانح نگاروں نے "حیات ولی" ہی کا تتبع کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی ایک مصرعہ لکھا ہے۔

مجھ سے ایک مرتبہ ایک صاحب نے بیان کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے قبرستان میں خانوادہ ولی اللہی کے دیگر حضرات کے ساتھ ہی آپ کے مزار شریف پر بھی تاریخ لگی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتہ میں خاص طور پر دہلی گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار شریف واقع قبرستان مہندیان، خواجہ میر درد روڈ۔ نئی دہلی پر حاضر ہوا۔ لیکن تاریخ تو درکنار وہاں کتبہ تک نہ تھا۔ فاتحہ خوانی کے بعد میں نے وہاں موجود مدرسہ رحیمیہ کے اکثر اراکین سے دریافت کیا مگر کوئی صحیح نہ بتا سکا۔ اس کے بعد میں علی محمد صاحب متولی جو ایک معمر و بارِیش بزرگ تھے، کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختیار کرنے پر قانونی یا اور کسی قابل لحاظ بنیادوں پر مجبور ہوں یا مال کی حفاظت بغیر بینک میں رقم رکھے متعذر ہو تو ایسے لوگوں کے لیے بینک کا تعاون حاصل کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ــ خاص طور پر دین اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبہ رکھنے والوں کو ــ دینا، علمائے عصر کی ذمہ داری اور ان پر فرض کفایہ ہے۔ اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ مذکورہ بالا صورتوں میں کیا واقعی انسان ایسی حالت سے دوچار ہوتا ہے جسے شرعی اور فقہی اصطلاح میں "حاجۃ" یا "ضرورت" کا درجہ دیا جاسکے؟

بیرونی تجارت کے لیے بینک سے تعاون

"ضرورت" کی اوپر بیان کردہ تعریف (ان لم یتناول الحرام او قارب) سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی صورت پر بھی "ضرورت" کا صادق آنا مشکل ہے، کیونکہ بڑی یا بیرونی تجارت کے لیے بینک کا توسط لازمی ہونے کی وجہ سے اس تجارت کے ترک سے ہلاک ہوجانے کا واقعی خطرہ اس شخص کو عموماً نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح مال کی حفاظت بھی ایسی مجبوری نہیں جس پر عام حالات میں "ضرورت" کا اطلاق ہوسکے۔ البتہ کسی ملک میں بدامنی عام اور حفاظتی انتظام ناکافی ہوں تو وہاں مال کی خاطر جان کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا بلکہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے ایسے ملکوں میں حفاظت کی غرض سے بینک کا استعمال "ضرورت" میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا۔ یہی بات بیرونی سفر کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے لیکن محض اتنی بات سے کہ ان صورتوں پر "ضرورت" کی فقہی تعریف صادق نہیں آرہی ہے ان سب کو قطعاً ناجائز و حرام اور قابل ترک قرار دینا کیا واقعی شریعت کے "یُسر" اور "دفع حرج" کے اصول کے مطابق ہوگا؟ اور کیا عملاً اس طریقہ کا ترک ممکن ہوگا؟ ہمیں اس پہلو پر بھی غور کرنا ہوگا کہ اگر واقعی سب مسلمان تاجر بیرونی یا بڑی تجارت سے دستبردار ہوجائیں یا سب لوگ بیرونی سفر ترک کردیں تو یہ آجکل ناممکن ہے کیونکہ ساری دنیا گویا ایک بڑے

© rasailojaraid.com